R. No. 2176/57 — Regd. No. [illegible]

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۳ - شمارہ ۱۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ مارچ ۱۹۶۴ء

آل احمد سرور

شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ایوب مر گئے۔ نہیں ایوب زندہ ہیں۔ اُن کی خوبیاں زندہ، اُن کی نیکیاں باقی ہیں۔

محمد ایوب ایڈوکیٹ پٹنہ، صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو، بانی مسلم گرلس کالج، بہار میں اُردو کی تحریک کے رہنما، ایک ممتاز قانون داں، ایک مخلص اور ان تھک کارکن، ایک مخیر شہری، ایک بے مثل انسان، ایک لاجواب ساتھی۔ ۲۰ر فروری کو دل کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور ۲۰ کی شب میں ہم سب کو چھوڑ کر خدا کے حضور میں پہنچ گئے۔

یہ مرحوم پر عارضۂ قلب کا دوسرا حملہ تھا۔ اس سے پہلے جمشید پور کے مزدوروں پر جو مقدمہ چلا تھا اس میں اتنا کام کیا تھا کہ کئی مہینے تک پلنگ سے لگ گئے تھے۔ اچھے ہو گئے تو اُسی طرح کام کرنے لگے۔ یہ نہ سوچا کہ دل پر ایک دفعہ خراش آ جائے تو پھر بہت احتیاط کرنا چاہیے۔

پچھلے اکتوبر میں، جب میں پٹنے گیا تو حسب معمول ایوب نے دعوت کی۔ ہم سب ابتدائی تعلیم کانفرنس کے سلسلے میں بہت مصروف رہے تھے۔ اس مصروفیت کے بعد ہنستے بولتے رہے۔ شعر و شاعری کا بھی دور رہا۔ ایوب نے اپنے شعر بھی سنائے۔ چلتے وقت میں نے کہا کہ میں اگلے اکتوبر میں پٹنے میں موجود ہوں گا، کیونکہ بہار ریاستی شاخ نے جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے اُس کی رفتار دیکھنا اور پٹنے کے اُردو دوستوں کو خراج عقیدت پیش کرنا میرے لئے ضروری ہے۔ ایوب میرے اشارے کو سمجھ گئے اور انھوں نے کہا کہ سرور صاحب ہم آپ کو مایوس نہ ہونے دیں گے۔ پھر میں نے اُن سے بہت سختی سے کہا کہ ایوب، تمھیں اپنی مصروفیات میں کمی کرنی چاہیے اور اپنی صحت کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیے تاکہ جو تمہارا سب سے بڑا کام ہے، وہ عرصۂ دراز تک انجام دے سکو۔ بہار میں اُردو کی تحریک کو تمہاری ضرورت ہے۔ ایوب پہلے تو ہنسنے لگے لیکن جب مجھے سنجیدہ دیکھا تو خود بھی سنجیدہ ہو گئے۔ مجھ سے وعدہ کیا، مگر مجھے ایسا لگا کہ شاید اسے پورا کرنا ان کے بس میں نہیں ہے۔

کیا بتاؤں، ایوب کیسے آدمی تھے۔ میں نے اچھے اچھے قومی کارکن دیکھے ہیں، مگر جوش اور ہوش دونوں رکھنے والے، خدمت کرنے والے اور خاموشی سے کرنے والے، ارادوں کے مضبوط اور زبان کے میٹھے، با اصول اور عملی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے والے، وکالت کے پیشے میں اتنے کامیاب اور اس کے باوجود اپنے شوق میں اتنے سرشار، دوستوں پر اس طرح جان چھڑکنے والے، ہر نیک کام کے لئے دامے درمے سخنے قدمے اس طرح آگے بڑھنے والے، بہت کم نظر سے گزرے۔ ایوب زندہ تھے تو یہ تقویت تھی کہ جب کوئی مشکل مقام آئے گا ایوب خود بخود مدد کریں گے، کوئی پیچیدگی پیدا ہوگی، سلجھا دیں گے، روپیہ کی ضرورت ہوگی فراہم کر دیں گے، آدمیوں کی کمی ہوگی، پوری کر دیں گے اور وہ ساتھ ہوں گے تو ہنستے بولتے، شعر پڑھتے، سب کام ہو جائیں گے۔ اب وہ نہیں ہیں تو سوچتا ہوں کہ کیسی نعمت

اس اشاعت میں

جشن تھی کیسی رونق لٹ گئی، کیسی برکت باقی رہی۔

سب سے پہلے ان سے ملاقات اختر اورینوی کی معرفت ہوئی۔ جمیل مظہری ان دنوں انھیں کے یہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔ جمیل مظہری سے ملنے میں ان کے یہاں اختر کے ساتھ گیا۔ پہلی ملاقات میں یہ محسوس ہوا کہ ایک انسان اور ایک صاحب دل کے سامنے ہوں۔ دل اُن کی طرف کھنچا۔ اُن کی باتوں میں خلوص اور یگانگت کی خوشبو تھی۔ میں ایک نہایت خوشگوار نقش لے کر آیا۔

پھر تو اکثر ملاقاتیں رہیں۔ ایوب اس وقت بھی پٹنے کے ممتاز وکیلوں میں تھے اور قومی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک گرلس کالج چلا رہے تھے، اُردو کی خدمت بھی کر رہے تھے۔ لیکن جب بہار کی ریاستی شاخ نے انھیں اپنا صدر چنا تو اُن کے جوہر کھلے۔ بہار میں اُردو کے ساتھ بہت سی بے انصافیاں ہوئیں اور اب بھی ہو رہی ہیں۔ مگر ایوب اور ان کے ساتھیوں نے بہت سی بے انصافیاں دور کرائیں۔ اُنھوں نے پوری ریاست میں شاخوں کا ایک جال پھیلا دیا، جلسے کیے، کانفرنسیں کیں، دستخطی مہم چلائی، حکومت کے پاس وفود لے گئے۔ لسانیاتی اقلیتوں کے کمشنر کو گھیرا۔ جب کوئی کوتاہی نظر آئی، اخبار کے ذریعہ سے مہم چلائی، روپیہ جمع کیا، کارکن مہیا کیے، دفتر قائم کیا۔ اُنھوں نے بہار کی انجمن ترقی اُردو کو ایک طاقت بنا دیا جس نے حکومت اور عوام دونوں کو متاثر کیا اور اُردو کے راستے سے بہت سی مشکلات دور کیں۔ اُردو تحریک اُن کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

دہلی کی کانفرنس میں ایوب بہار سے ایک بہت بڑی جماعت نمائندوں کی لائے تھے۔ سب کے ساتھ ایک معمولی سے ہوٹل میں ٹھیرائے گئے۔ سب کی طرح تکلیف اُٹھائی۔ اسی تکلیف میں خوش تھے۔ کانپور میں انتظامات بہت اچھے نہ ہو سکے تھے۔ کچھ لوگوں نے شکایت بھی کی مگر ایوب کے نہ چہرے پر شکن تھی نہ آنکھوں میں آزردگی کی لہر۔ میں نے کسی موقع پر اس شخص کو لیے دیے نہ دیکھا ہمیشہ سب کے ساتھ ہنستے بولتے پایا۔

عام طور پر شاعر کو اپنا کلام سنانے کا ہوکا ہوتا ہے۔ ایوب بہت اچھا شعر کہتے تھے، مگر بہت اصرار کے بعد دو چار سے زیادہ کبھی شعر نہیں سنائے۔ دوسروں کے اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے۔ جمیل مظہری کے دوست ہی نہیں ان کے کلام کے عاشق بھی تھے۔ اُن کے گھر پر جو بھی ادبی صحبتیں ہوئیں، وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ پار سال مجھے پہنچانے اسٹیشن آئے۔ گاڑی تک پل پار کر کے پہنچنا تھا۔ میں نے پھاٹک سے اُنھیں واپس کیا۔ پہلے تو مانتے نہیں تھے، جب میں نے سختی سے منع کیا تو خاموش ہو گئے۔

وہ جب بھی میرا کہنا مان لیتے تھے تو اور بڑے معلوم ہونے لگتے اور اور محبوب ہو جاتے۔

ایوب خاصے مضبوط کردار کے آدمی تھے۔ وہ ضرورت پڑنے پر سختی سے کام لے سکتے تھے اور اگر موقع نرمی کا ہو تو بہت نرم بھی پڑ جاتے تھے۔ مظفر پور میں جعفر امام کی کوشش سے ایک شاندار اُردو کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر کچھ مقامی حضرات نے مرکز کے سامنے ریاستی شاخ کی کچھ شکایات رکھیں۔ کچھ کارکن مجھ سے علی گڑھ آ کر ملے۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ مظفر پور آؤں گا تو اُن لوگوں سے مفصل بات کروں گا۔ کانفرنس شام کو ہونے والی تھی، صبح کو میں نے اس کے مخالفین کے ایک اجتماع میں شرکت کی۔ راج بہادر گوڑ میرے ساتھ تھے۔ میں نے طرح طرح سے اُنھیں راضی کرنے کی کوشش کی، مگر اُن لوگوں کو شکایت یہ تھی کہ اُنھیں نظر انداز کیا گیا ہے۔

چنانچہ ریاستی شاخ کی کونسل میں اس پارٹی کے کچھ افراد کے
کی سفارش کی۔ ایوب پہلے تو مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے جب میں نے اصرار کیا کہ ان لوگوں کو شامل کرنے سے آئندہ کاموں میں آسانی ہوگی تو راضی ہو گئے۔ مگر اب میں نے محسوس کیا کہ مجھے صرف مشورہ دینا چاہیے، ان پر جبر نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے میں نے پھر معاملہ اُنھیں پر چھوڑ دیا۔ بعد میں یہ بات صاف ہو گئی کہ مخالفت کے پیچھے اُردو سے ہمدردی کا جذبہ نہ تھا، سیاسی گروہ بندی تھی اور ایوب کا طرز عمل صحیح تھا۔

ایوب چاہتے تو اُن کے پیشے میں اور سیاست میں اُن کے لیے ترقی کے بڑے امکانات تھے۔ مگر انھوں نے تو جنون سے سودا کیا تھا۔ اُن کی وکالت اس لیے تھی کہ اس کی آمدنی سے وہ لوگوں کی مدد کریں۔ شادی نہیں کی تھی۔ میں اکثر اُنھیں اس پر چھیڑا بھی کرتا تھا۔ ان کو کام کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا اور گھریلو معاملات میں کوئی اُلجھن یا پابندی نہ تھی۔ جمیل مظہری سفر سے بہت گھبراتے ہیں، چنانچہ پچھلی دفعہ یہ طے ہوا تھا کہ اُن کے ساتھ علی گڑھ آئیں گے، مگر ان کے آنے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ میرا ارادہ وسط فروری میں پٹنے جانے کا تھا مگر علی گڑھ کے کاموں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ جمعہ کی شام کو ایک تار ملا جس سے معلوم ہوا کہ ایوب چل بسے۔ یقین نہیں آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بیماری کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اچانک یہ سب کیسے ہو گیا؟ مگر پھر یقین کرنا پڑا۔ ایوب نے میری نصیحت نہیں مانی۔ اُسے اپنے پر اختیار نہ تھا۔ ایک ہی انداز سے کام کرنا آتا تھا۔ اُس کا خلوص، اُس کا تبسم، اُس کی محبت، اُس کی خدمت، کس کس کو گنواؤں۔ اس کے بغیر جینے کا لطف کم ہو گیا۔ اس سے مل کر کام کا ولولہ تازہ ہو جاتا تھا۔ روزمرہ زندگی کی گرد دھل جاتی تھی۔ اب یہ دولت کہاں ملے گی۔ ہاں اُس کی تقلید شاید کچھ کام آ سکے۔

آسان اُردو لکھاوٹ

"آسان اُردو لکھاوٹ" کے نام سے ڈاکٹر جعفر حسن صاحب سابق پروفیسر سماجیات اور معلم جرمن زبان و ادب کا ایک رسالہ شائع ہوا ہے۔ جس کی چند کاپیاں اُردو لکھاوٹ کے مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے افراد کو "کتابی ایجنسی، اُردو ٹرسٹ نمبر ۱۴"، ٹپہ خانہ خیریت آباد، حیدرآباد ۴ سے طلب کرنے پر بھیجی جائیں گی۔

ڈاکٹر سید حامد حسین

اُردو میں کتابیات کی ترتیب اور اس کے چند اصول

اُردو میں منظم تحقیقی کام کے فروغ کے ساتھ ساتھ کتابیات (ببلیو گرافی) کی ترتیب کی ضرورت بھی روز افزوں محسوس کی جارہی ہے اور اس سلسلے میں بعض اُردو اداروں نے کچھ قابل تحسین کوششیں شروع کردی ہیں، چند اُردو رسائل بھی پابندی کے ساتھ مختلف موضوعات پر کتابیات شائع کر رہے ہیں۔ مگر اتفاق سے ابھی تک کتابیات کے مرتبین بعض اہم معاملات پر یک رائے نہیں ہیں، اور اس بنا پر کبھی کبھی اُردو کے طالب علم کو ان کتابیات سے استفادہ کرنے میں تھوڑی اُلجھن محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ میری رائے میں یہ بہتر ہوگا کہ کتابیات کی ترتیب کے بعض اہم پہلوؤں پر ایسے اصول وضع کیے جائیں جو متفقہ طور پر تسلیم کیے جائیں تاکہ کتابیات سے استفادہ کرنے میں کوئی دشواری واقع نہ ہو اور مرتبین کی کوششوں میں اصولی یکسانیت آسکے۔

اس قسم کے اصولوں پر اتفاق نہ صرف تحقیق کے مقصد سے تیار کی گئی کتابیات کے لئے مفید ہو سکتا ہے بلکہ لائبریریوں میں کتابوں کی ترتیب اور کتابوں کے آخر میں رکھے جانے والے اشاریوں (انڈکس) کی تیاری میں بھی بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اُردو ادیب کے نام کے کس حصے کو اولیت دی جائے تاکہ اس کی بنیاد پر حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی جاسکے۔ اتفاق سے دوسری مشرقی اور مغربی اقوام کی طرح مسلمانوں میں عائلی نام (Surname) کا رواج نہیں ہے اور اس طرح دوسری زبانوں میں عائلی نام کے لحاظ سے کتابیات کی ترتیب کی جو سہولت ہے وہ اُردو کو حاصل نہیں ہے۔ اگر کہیں بعض مسلمان گھرانوں میں (Surname) کو اپنانے کی کوشش کی بھی گئی ہے تو وہ اتنی کامیاب نہیں ہوئی ہے کہ اس خاندان کے ننھے، بڑے ہر فرد نے اُس کو پابندی کے ساتھ استعمال کیا ہو۔ مزید براں ہاشمی، عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری وغیرہ نام اتنی وسیع عائلی نسبت رکھتے ہیں کہ ان سے ایک مخصوص خاندان کی انفرادیت متشکل نہیں ہو پاتی۔ یہی حال دوسرے نسبتی ناموں کا ہے جیسے دہلوی، لکھنوی، اکبرآبادی، عظیم آبادی، امروہوی، کلکتوی، ندوی، جامعی وغیرہ۔ یہ مقامی نسبت کسی فرد کی انفرادیت کو اس طرح مختص نہیں کرپاتی جس طرح عائلی نام (Surname) کرسکتا ہے۔ چنانچہ نظیر اکبرآبادی اور سیماب اکبرآبادی میں وہ نسبت تصور بھی نہیں کی جاسکتی جو ٹیگور یا ٹینی سن (Surname) رکھنے والے افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ تخلص واقعی ایک قطعی انفرادی خصوصیت رکھتا ہے۔ مگر تخلص بھی سب لکھنے والوں میں عام نہیں ہے یہاں تک سب شاعر بھی، خاص طور پر موجودہ دور میں، اپنے آپ کو اس کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان تمام دشواریوں کے پیش نظر جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ کتابیات کی ترتیب نسبتی نام کی بجائے ادیب کے اصلی نام یا جہاں تخلص ہو وہاں تخلص کی مدد سے کی جائے۔

میری رائے میں کتابیات کی ترتیب میں مندرجہ ذیل نکات مدنظر رکھے جاسکتے ہیں:۔

(۱) ادیب کے اصلی اور انفرادی نام کو نسبتی نام پر ترجیح دی جائے۔ جیسے سلیمان ندوی، حسن نظامی، عبدالماجد دریابادی کی ترتیب جوں کی توں رکھی جائے اور ان کو ندوی۔ سلیمان۔ نظامی، حسن۔ اور دریابادی، عبدالماجد میں تبدیل نہیں کیا جائے۔

(۲) جہاں تخلص موجود ہو، وہاں تخلص کو نام کے دوسرے اجزا پر فوقیت دی جائے۔ جیسے محمد دین تاثیر، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار، امیر مینائی کو تاثیر محمد دین۔ شرر، عبدالحلیم۔ سرشار، رتن ناتھ۔ امیر مینائی لکھا جائے۔

(۳) نام کے ابتدا میں آنے والے سید، شیخ، مرزا، خان، خواجہ، ملک، چودھری، قاضی، سر، پنڈت وغیرہ کو نام کے آخر میں منتقل کردیا جائے۔ جیسے سید احتشام حسین، مرزا فرحت اللہ بیگ، خواجہ حسن نظامی، قاضی عبدالغفار، سر راس مسعود، پنڈت سندر لال کو احتشام حسین، سید۔ فرحت اللہ بیگ، مرزا۔ حسن نظامی، خواجہ۔ عبدالغفار، قاضی۔ راس مسعود، سر۔ سندر لال، پنڈت۔ لکھا جائے۔

(۴) اگر کسی مغالطہ کا امکان ہو تو خواتین کے نام کے ساتھ مسز، بیگم، مس، آنسہ کو برقرار رکھا جائے۔ ورنہ انھیں حذف کردیا جائے۔ برقرار رکھنے کی صورت میں ان الفاظ کو قوسین میں گھیرا جائے اور انھیں حروف تہجی کی ترتیب سے باہر رکھا جائے۔ مثلاً مسز حسن اختر، بیگم امجد علی، محترمہ فاطمہ سبین، مس شمیم احمد، آنسہ جمال کاظمی کی ترتیب یوں رکھی جائے۔ (بیگم) امجد علی۔ (آنسہ) جمال کاظمی (مسز) حسن اختر۔ (مس) شمیم احمد۔ فاطمہ سبین۔

(۵) پروفیسر، ڈاکٹر، مولانا، مولوی، حضرت، صاحب، پنڈت، ایم اے۔ بی اے۔ اور دوسرے القاب اور خطابات کو حذف کردیا جائے، اور اگر کسی مجبوری سے ان کو لایا جائے تو انھیں نام کے آخر میں قوسین میں گھیر کر پیش کیا جائے۔

(۶) جہاں مصنف اپنے اصلی نام کے ابتدائی اجزاء کے صرف ابتدائی حروف لکھتا ہے، وہاں تقدم اس جزو کو حاصل ہو، جو پورا ہے۔ جیسے ل، احمد۔ ظ، انصاری۔

ن۔ م۔ راشد، ایس۔ ایم۔ خان کو احمد علی۔ انصاری۔ ن۔ م۔ راشد، ن۔ م۔ خان، ایس۔ ایم۔ لکھنا مناسب ہوگا۔

(۷) اگر کسی اور زبان کے ایسے ادیب کا نام کتابیات میں شامل کرنا ہو جس کا واضح عائلی نام (Surname) موجود ہے تو اس Surname کو ہی اولیت دی جائے۔ جیسے ولیم شیکسپیر، لیو ٹالسٹائی، ٹامس ہارڈی، رابندر ناتھ ٹیگور کو شیکسپیر، ولیم۔ ٹالسٹائی، لیو۔ ہارڈی، ٹامس اور ٹیگور، رابندر ناتھ لکھا جائے۔

(۸) اگر کوئی کتاب مختلف مصنفوں کی تحریرات سے ترتیب دی گئی ہے تو کتابیات میں مرتب کے نام کے آگے قوسین میں "مرتب" یا مرتب کا اشارہ "م" لکھ کر اس امر کی تخصیص کی جائے جیسے ابن فرید (مرتب)، ویرنگ نظر۔

(۹) اگر کتاب پر مصنف یا مرتب کا نام نہیں ہے تو اس کو اس کے عنوان کے لحاظ سے حروف تہجی کی ترتیب میں جگہ دی جائے اور اس کے بعد ناشر کا نام تحریر کیا جائے۔

(۱۰) اگر کتاب پر کئی مرتبین کے نام درج ہیں تو اس کو پہلے مرتب کے نام کے لحاظ سے ترتیب میں جگہ دی جائے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے مرتبین کے نام لکھے جائیں۔

(۱۱) اگر کتاب ترجمہ ہے تو اس کو اصل مصنف کے نام سے ترتیب میں جگہ دی جائے اور مترجم کا نام بعد میں دیا جائے۔ مگر بہتر یہ ہوگا کہ کتاب کو دو جگہ مذکور کیا جائے۔ ایک جگہ اصل مصنف کے حوالے سے اور دوسری جگہ مترجم کے حوالے سے۔

(۱۲) اگر کوئی کتاب کسی اہم مقدمے کے ساتھ شائع کی گئی ہے تو مقدمہ نگار کا حوالہ بھی، اصل مصنف اور کتاب کے نام کے بعد دیا جائے۔

(۱۳) اگر حوالہ کسی ایسی تحریر کے بارے میں دیا جارہا ہے جو کسی رسالہ یا مجموعہ میں شامل ہے تو اس تحریر کو دوہرے داوین (" ") میں رکھا جائے۔ جب کہ رسالوں اور کتابوں کو اکہرے داوین (' ') میں دکھایا جائے۔

(۱۴) کسی بھی کتابیاتی اندراج میں یہ ترتیب ملحوظ رکھی جائے (۱) مصنف یا مرتب کا نام (۲) کتاب کا نام (۳) ناشر کا نام اور مقام اشاعت (۴) سنہ اشاعت۔ اگر حوالہ کسی رسالہ میں شائع ہونے والی تحریر کا ہے تو یہ تفصیلات دی جانا چاہئیں۔ (۱) مصنف کا نام (۲) تحریر کا عنوان۔ (۳) رسالہ کا نام (۴) مقام اشاعت (۵) جلد نمبر اور شمارہ نمبر (۶) تاریخ (۷) صفحات نمبر جن پر تحریر پھیلی ہوئی ہے۔

(۱۵) اگر مصنف کے نام کی ترتیب کتابیاتی ضرورتوں

سے بدل گئی ہے تو یہ تبدیلی احتیاط کے ساتھ رموزِ اوقاف سے ظاہر کی جائے تاکہ نام کی اصل ترتیب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ جیسے معصوم رضا راہی کی ترتیب دیتے وقت راہی اور معصوم رضا کے درمیان ایک واضح وقف کا اشارہ (۔) یا (،) دیا جائے۔ جیسے راہی، معصوم رضا۔ تخلص پر بھی مروج اشارہ (ــ) لگانے کا التزام رکھا جائے۔ یہ اشارے بعض ممکنہ غلطیوں کو دور کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

مجھے توقع ہے کہ "ہماری زبان" کے قارئین میری ان تجاویز پر ضرور اظہار خیال فرمائیں گے اور ان میں سے جو قابل قبول تجاویز ہیں، ان کو کتابیات کی ترتیب میں رواج دیں گے اور اگر ان تجاویز میں اس سلسلے کا کوئی اہم پہلو نظر انداز ہوگیا ہو یا کسی تجویز میں کوئی کوتاہی ہو تو اس کی بھی نشاندہی کریں گے تاکہ کتابیات کے ایسے اصول مرتب ہوسکیں، جن پر یکساں اور بہ اثر طور پر عمل ہوسکے۔

ہندی، اردو، سنسکرت کتابوں پر انعام

یو۔پی کی حکومت نے ہندی، اردو، سنسکرت کتابوں کے ۴۶ مصنفوں کو ۳۲۵۰۰۰ روپے کے انعامات دئے ہیں۔

پانچ پانچ ہزار کے سات اور ڈھائی ڈھائی ہزار کے پانچ انعامات اس لئے نہیں دئے جاسکے کہ معیار پر کوئی کتاب بھی پوری نہ اتری۔

اردو کتابوں میں مرزا مہذب صاحب لکھنؤ "مہذب اللغات" پر بارہ سو، محمد اسحاق صاحب صدیقی لکھنؤ کی "فن تحریر کی تاریخ" پر جسے انجمن ترقی اردو ہند نے شایع کیا ہے آٹھ سو، پروفیسر احتشام حسین الہ آباد کی "عکس اور آئینے" پر پانچ سو، اطہر پرویز صاحب علی گڑھ کی "ادب کا مطالعہ" پر پانچ سو، وقر مولائی لکھنؤ کی "منظر گاہ" پر پانچ سو اور صدق جائسی صاحب لکھنؤ کی "دربار دُربار" پر پانچ سو روپے انعام دئے گئے۔

محمد ایوب صاحب کا انتقال

محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا عارضۂ قلب میں ۲۸ فروری کی شام کو چار بجے انتقال ہوگیا۔ مرحوم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ اردو تحریک کے روح رواں اور قوم و ملت کے بیدار مغز قائد تھے۔ ان کے انتقال سے بہار میں اردو تحریک کو سخت صدمہ پہنچا ہے، اور بہار کا ایک بے لوث خادم اور ایک دیانتدار رہنما ہم سے بچھڑ گیا ہے۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

امیر چند بہار

غزل

جو دہر کی آفت تھی ہمیں پر وہ پڑی ہے
ہنس ہنس کے مگر ہم نے ہر اک چوٹ سہی ہے

ہم شدتِ آلام میں بھی نغمہ سرا ہیں
سرشار ہیں، سرمست ہیں، کیا زندہ دلی ہے!

یہ کس نے مری بزمِ تخیّل کو سجایا
کس رشکِ مہ و مہر کی یہ جلوہ گری ہے

تو دور ہے ہم پھر بھی تجھے دیکھ رہے ہیں
بُت خانۂ دل میں تری تصویر جڑی ہے

دینے لگے داغِ جگر سے شبِ فرقت
کیا آتشِ خاموش مرے دل میں دبی ہے

وہ [illegible] بھلانے پہ بھی آجاتے ہیں پھر یاد
یہ عشق ہے، وحشت ہے کہ آشفتہ سری ہے

اب چھوڑ بھی دو ترکِ محبت کی نصیحت
یارو یہ نصیحت تو نہیں دل شکنی ہے

کچھ باعثِ تسکیں نہ ہوا جلوۂ جاناں
دیکھا ہے انھیں پھر بھی وہی تشنہ لبی ہے

محتاج ہے روٹی کے لئے آج بھی فن کار
کیا کاوشِ ذہنی کی اُسے داد ملی ہے

زردار کی چوکھٹ پہ جبیں اہلِ ہنر کی!
ہر عہد میں یوں عقل کی توہین ہوئی ہے

پیتے ہیں غریبوں کا لہو چند ہوس کار
پھر اس پہ انھیں دعوئ حب الوطنی ہے

کچھ فرق مرے ظاہر و باطن میں نہ ہوگا
جو بات مرے دل میں ہے لب پر بھی وہی ہے

ہے مشقِ سخن خونِ جگر کی بھی طلب گار
الفاظ ہی الفاظ سے کب بات بنی ہے

یہ محفلِ جاناں ہے سنبھل اے دلِ ناداں
اک حرفِ تمنا بھی یہاں بے ادبی ہے

جامع ہے بہت شاعرِ مغرب کا یہ فرمان
"دنیا میں کوئی چیز نہ اچھی نہ بُری ہے"[1]

روشن ہے بہار اہلِ بصیرت پہ ترا حال
نادار ہے تو پھر بھی طبیعت کا غنی ہے

امیر چند بہار

قطعہ

ہوس رنگ و بو نہیں دل میں حُسن کی جستجو نہیں دل میں
اے غمِ زیست! شکریہ تیرا اب کوئی آرزو نہیں دل میں

[1] شیکسپیر کے ایک قول کا ترجمہ ہے۔

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کا اعلان

میر عابد علی خاں صاحب جوائنٹ سکریٹری ریاستی شاخ آندھرا نے یہ بیان اخباروں میں اشاعت کے لئے دیا ہے:-

حال ہی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ڈائرکٹر تعلیمات آندھرا پردیش نے ضلع پریشدوں اور تعلیمی افسروں کو یہ ہدایت جاری کردی ہے کہ اُردو کے متوازی درجے کھولنے کے سلسلے میں جو درخواستیں موصول ہوں وہ اُن پر خود کوئی عملدرآمد نہ کریں بلکہ ان کے پاس بھیج دیں۔ اُس اعلان میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ان ہدایتوں پر اگلے تعلیمی سال جون ۱۹۶۴ء سے عملدرآمد کیا جائے۔

مگر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی درخواست پر حکومت کی طرف سے نئے احکام جاری ہوئے ہیں جن میں ضلع پریشدوں اور تعلیمی افسروں سے کہا گیا ہے کہ جون ۱۹۶۴ء تک انتظار نہ کریں بلکہ ایسی درخواستیں وصول ہوتے ہی فوراً ڈائرکٹر تعلیمات کے پاس روانہ کردیں تاکہ بروقت کارروائی کرکے اُردو کے متوازی درجے کھولنے کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ جون ۱۹۶۴ء میں اسکولوں کے کھلتے ہی یہ درجے اپنا کام کرنے لگیں۔

اس لئے اُردو کے تمام ہمدردوں اور انجمن ترقی اُردو کی مقامی شاخوں سے درخواست ہے کہ وہ اُردو کے متوازی درجے کھولنے کے لئے بلا کسی مزید تاخیر کے متعلقہ افسروں کے پاس ایسی درخواستیں بھجوائیں۔

ساہتیہ اکاڈمی کے انعام

ساہتیہ اکاڈمی کی مجلس عاملہ کا جلسہ نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں منعقد ہوا اور مختلف زبانوں کی گیارہ کتابیں ۱۹۶۳ء کے اکاڈمی انعام کے لئے منتخب کیں۔ ہر کتاب کے مصنف کو پانچ پانچ ہزار کا انعام دیا جائے گا۔ انعام ۵ مارچ کو ایک خاص جلسے میں ایک خوشنما کشتی میں ۵ ہزار کا چک رکھ کر پیش کیا جائے گا۔ اُردو میں "آندھی میں چراغ" کے مصنف خواجہ غلام السیدین کو انعام ملا ہے۔

ہندی یونیورسٹیوں کے قیام میں التوا

مرکز کے نائب وزیر تعلیم شری بھگت درشن نے سوالات کے وقت بتایا کہ ایسی مرکزی یونیورسٹیوں کے قیام کی تجویز جن میں ہندی ذریعۂ تعلیم ہو فی الوقت ملتوی کردی گئی ہے۔

شری کھنڈیکر نے پوچھا کہ التوا کا سبب ہندی کے خلاف مزاحمت ہے یا کوئی اور بات؟ تو نائب وزیر نے جواب دیا "سبب بالکل ظاہر ہیں"۔

مراسلات

اردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل

(۱)

سلطان اشرف صاحب کے مضمون "اردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل" کی دو قسطیں مطبوعہ "ہماری زبان" یکم فروری و ۸ر فروری ۶۴ء میں نے پڑھیں۔ اُردو کے ایسے اخبار و رسائل کا تعارف جن کے پرچے اب کمیاب ہیں یا تلف ہوتے جاتے ہیں اگر احتیاط سے کیا جائے تو بڑا مفید کام ہے۔ بہت سے پرچے گلدستے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں طرحی کلام شایع ہوتا تھا جس سے اکثر ممتاز شعرا کی غزلوں کی وجہ تصنیف اور زمانۂ تصنیف کا علم ہوتا ہے۔ تحقیقی و تنقیدی دونوں اعتبار سے اس قسم کی معلومات بعض اوقات خاص اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ لیکن گلدستوں کی اس خصوصیت کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یا تو مضمون نگار غیر ضروری تکرار و اعادہ کے مرتکب ہوں گے یا دوسروں کو غلط فہمی میں ڈالنے کا سامان کر جائیں گے۔

گلدستوں کی طرحوں میں جو غزلیں پہلے شایع ہو چکی ہیں وہ بعض شعرا کے مطبوعہ دیوانوں میں درج ہیں۔ ایسی غزلوں کو گلدستوں کے حوالے سے شایع کرنا گویا مطبوعہ دیوانوں کی غزلوں کو دوبارہ شایع کرنا ہے۔ اس کے علاوہ گلدستوں میں کبھی کبھی مشہور شعرا کی ہم طرح غزلیں مطبوعہ دیوانوں یا دوسرے ذریعوں سے لے کر شایع کر دی جاتی تھیں۔ ایسی غزلوں کو گلدستوں کے مصرع طرح یا ان کے زمانۂ اشاعت سے کوئی نسبت نہ ہوتی تھی۔ ان کے متعلق یہ سمجھنا صریحاً غلط ہوگا کہ وہ فلاں گلدستے کی طرح میں فلاں زمانے میں کہی گئی تھیں۔

"اردو کے قدیم اخبار و رسائل" کی پہلی قسط میں امیر مینائی کی جو غزل نغمۂ بہار لکھنؤ بابت جنوری ۱۸۸۵ء سے نقل کی گئی ہے وہ ان کے دیوان صنم خانۂ عشق میں شامل ہے۔ نغمۂ بہار کے حوالے سے اسے دوبارہ شایع کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ غزل امیر کے دیوانوں میں نہیں ہے۔ مضمون نگار نے امیر احمد علوی کی کتاب طرۂ امیر کے حوالے سے اس غزل کے ایک مصرعے میں لفظی تغیر کا ذکر کیا ہے حالانکہ صنم خانۂ عشق میں شعر کی موجودگی کی صورت میں طرۂ امیر کے متن سے بحث غیر ضروری تھی۔ طرۂ امیر کا ماخذ صنم خانۂ عشق ہی ہے۔ امیر احمد علوی نے اپنی طرف سے مصرعے میں کوئی تصرف نہیں کیا ہے۔ دیوان میں لفظی رد و بدل کا ہو جانا کچھ ایسا حیرت انگیز بھی نہیں، کیونکہ پرانے شعرا دیوان کی اشاعت سے قبل چھپے کلام کی اصلاح و درستی میں بڑی کد و کاوش کرتے تھے۔ مذکورہ مصرعے میں ترمیم کے علاوہ نغمۂ بہار اور صنم خانۂ عشق میں اس غزل میں بڑا فرق ہے۔ نغمۂ بہار کا دوسرا مطلع دیوان سے خارج کر دیا گیا ہے اور ایک دو نہیں بارہ شعر نئے بڑھائے گئے ہیں۔ قدیم گلدستوں اور دوسرے حوالوں کے مطالعے سے امیر کی مستند غزلوں میں یہ کیفیت سامنے آتی ہے۔ دوسرے شعرا کا کلام بھی اس سے خالی نہیں ہے۔

نغمۂ بہار لکھنؤ کی زمین میں امیر کی ایک غزل مراۃ الغیب میں بھی ہے لیکن یہ بہت پہلے کی کہی ہوئی ہے۔

مضمون کی دوسری قسط میں "اصلاح سخن" لاہور بابت ستمبر ۱۹۰۴ء کا ذکر کرتے ہوئے سلطان اشرف صاحب نے لکھا ہے:

"علامہ کی دوسری غزل سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا ہے، جو ستمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے کے مصرع طرح "ہندوستاں کے ہم ہیں ہندستاں ہمارا" کی زمین میں کہی گئی ہے۔"

ان الفاظ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اقبال کا مشہور ترانہ ایک گلدستے کی طرح میں طبع آزمائی کا رہین منت ہے۔ اگر یہ بیان حقیقت پر مبنی ہوتا تو بڑا اہم اور غور طلب ہوتا۔ شاید سلطان اشرف صاحب نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ کتنی اہم بات لکھ رہے ہیں۔ اقبال کا ترانہ ۱۹۰۴ء کی تخلیق ہے اور غالباً اسی سال سب سے پہلے "مخزن" لاہور میں شایع ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اسے بانگ درا کے حصہ اول میں شایع کیا ہے جو ابتدا سے ۱۹۰۵ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔ ترانہ "اصلاح سخن" لاہور کی طرح میں نہیں کہا گیا بلکہ اس میں اسی نہج سے شایع کیا گیا جس نہج سے کبھی کبھی شعرا کا گذشتہ ہم طرح کلام گلدستوں میں شایع کر دیا جاتا تھا۔ اگر "اصلاح سخن" کا مصرع طرح اقبال کے ترانے سے متاثر ہو کر دیا گیا ہو تو بعید از قیاس نہیں۔ اس روشنی میں اقبال اور ظہیر دہلوی کے درمیان "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" میں توارد کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ توارد ظہیر دہلوی کو ہوا ہے نہ کہ اقبال کو۔

میری ناقص رائے میں جو حضرات کمیاب ماخذ کو روشناس کرانا چاہتے ہیں ان پر اصل کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی، استخراج نتائج اور اظہار رائے وغیرہ کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ورنہ ہے آج جو سرگزشت اپنی کل اس کی کہانیاں بنیں گی اور تحقیق کا کام بجائے آسان ہونے کے مشکل ہوتا جائے گا۔

(ابو محمد سحر)

(۲)

"ہماری زبان" مورخہ ۸ر فروری میں "اصلاح سخن" لاہور کا تعارف کراتے ہوئے سلطان اشرف نے پہلے شمارہ جون ۱۹۰۴ء سے علامہ اقبال کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فتنے اُٹھتے ہیں تیرے کوچے سے یہ زمیں آسمان ہے گویا

جس میں ایڈیٹر اصلاح سخن کا نوٹ بھی شامل ہے:-

"شیخ صاحب نے ایک مختصر سی غزل اس طرح پر ہمیں لاہور میں سنائی تھی ایک شعر یاد رہ گیا وہی لکھ دیا گیا" ساتھ ساتھ "ایڈیٹر اصلاح سخن نے شعر مذکورہ بالا کو نقل

کرتے ہوئے غزل کی ابتدا میں لکھا ہے۔ "شیخ محمد اقبال پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور" جسے پڑھ کر سلطان صاحب کے دل میں کچھ شبہات گزرے ہیں۔ میں اس مراسلے کے ذریعہ ان کے شبہات دور کر دینا چاہتا ہوں۔

۱۹۰۳ء میں جب پروفیسر آرنلڈ انگلستان چلے گئے اور ۱۹۰۵ء میں مغربی تعلیم کی تکمیل کے لئے اقبال کے انگلستان جانے سے قبل تک اس درمیانی مدت میں اقبال پہلے اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاسیات کے پروفیسر اور بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے تھے۔ پھر جولائی ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے لاتعداد علمی اعزاز اور بہت سی ڈگریاں لے کر جب اقبال واپس ہوئے تھے تو شاہ ادنک گورنمنٹ کالج لاہور میں فلاسفی کے پروفیسر رہے تھے۔ اس لئے اب اس بات میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۵ء کی درمیانی مدت میں جب کہ اقبال گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے ایڈیٹر اصلاح سخن کو غزل سنائی ہو۔ (مناظر عاشق ہرگانوی)

میر نظام الدین ممنون

غالباً دو تین سال پہلے (میرے قیام حیدرآباد کے زمانے میں) جناب جوہر ٹونکی نے مجھے ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا جس میں چند دیگر کتب اور دیوان میر نظام الدین ممنون سے متعلق دریافت طلب امور تحریر تھے ۔۔۔ اب "ہماری زبان" بابت یکم فروری ۱۹۶۴ء میں جناب جوہر ٹونکی کا سوال "میر نظام الدین ممنون سے متعلق" نظر نواز ہوا۔ اپنے ذاتی علم کی روشنی میں جو کچھ معلومات رکھتا ہوں حسب ذیل ہیں:۔

حالات:۔ میر نظام الدین ممنون (ملک الشعراء)[1] میر قمرالدین منت دہلوی کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ انھوں نے اکبر شاہ ثانی کا عہد پایا تھا۔ ان کے دیوان میں اس بادشاہ کی مدح میں قصائد موجود ہیں۔ ایک قصیدے میں جو بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا تھا، اپنے والد اور استاد کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

ترے حضور میں پڑھتا ہوں شعر منت کا
کہ اس پہ ختم ہوئی طرز نکتہ پیرائی

اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے۔ ان کا اردو کا دیوان خود ان کے قلم کا لکھا ہوا کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ آخر زمانے میں گورنمنٹ انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اجمیر میں عہدۂ صدر الصدوری پر ممتاز تھے[2]۔ ان کی وجہ سے یہاں شعر و سخن کی مجلسیں گرم ہوتی رہتی تھیں۔ بسنہ ۱۸۴۴ء مطابق سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں وفات پائی۔

نمونۂ کلام

سرسبز تخم دوستی ہوئے بغیر دل کہاں
یا رب ہے بزیر آسماں ایسی زمیں قابل کہاں
مدت سے ہم تھا بھی بسے پر بزم خالی دیکھ کے
اس نے پوچھا ایک دن ہے آج وہ بیدل کہاں
بے چین سا ہوں خود بخود کچھ اور تو واقف نہیں
معشوق جا کس پہ ہوا اور دل ہو گیا مائل کہاں
بحر حوادث کا یہ شورش باد مخالف کا وہ زور
کشتی بھی وہی ہو جوں تنکے تو کہاں آئے اب ساحل کہاں
بخت سیہ کا مرتبہ تک دیکھو کہ نقطہ درد
اس سے فقط دانے دام لے رخ پر بنا یا تل کہاں
تاریک شب وہ پر خطر کوئی نہ یار و راہبر
دیکھیں کہ ہم بے پا و سر کرتے ہیں اب منزل کہاں
مدت سے ہم ہیں اور قفس اے صفیر و کیا خبر
غنچے کدھر کو ہیں گئے گل رہ گئے ہیں گل کہاں
سو بار یوں میں کہہ چکا خوبوں سے مت مل ہے برا
لیکن سمجھتا ہے بھلا اپنا دل جاہل کہاں
شیشہ بھی ہے ساقی بھی ہے شمع بھی ہے پر ہیں نرے
وہ خوبی مجلس کہاں وہ رونق محفل کہاں
کچھ عقدۂ مشکل کا تو ممنون اندیشہ نہ کر
مشکل کشا جب سر پہ ہو رہتی ہے پھر مشکل کہاں[3]

نہیں بچا مرض عشق سے کوئی ممنون — نہیں دریغ یہ پیشہ تری جوانی پر

غش سے نہیں افاقہ دم بھر کبھو نہ آیا
جب تک صبا کا جھونکا لے تیری بو نہ آیا

---

[1] "تاریخ مشائخ چشت" کے صفحہ ۵۲۳ پر تحریر ہے۔
"میر قمرالدین منت کو گورنر جنرل کی طرف سے "ملک الشعراء" کا خطاب تھا۔ وہ شاہ فخر صاحب ؒ سے بیعت پر فخر کرتے تھے۔"
(از تذکرۂ گلشن بے خار) ۔ سید فضل المتین

[2] تذکرۂ گلستان میں لکھا ہے۔
"مدت مدید تک نواح اجمیر میں عہدۂ صدر الصدوری پر مامور رہے۔ آخر ضعف پیری کے عذر سے اس مشغلہ سے دست کش ہو، شاہ جہاں آباد (دہلی) میں خانہ نشین ہو گئے۔"
(بیاض یادداشت مولانا خواجہ معین اجمیری ؒ)

[3] یہ مکمل غزل "انتخاب زریں" میں بھی موجود ہے۔ ۔ سید فضل المتین

کون آئے ہے کہ سینے میں سیدؔ ہو گئی
صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ

نوٹ :- امید ہے کہ واقف کار حضرات میر نظام الدین ممنون کے تفصیلی حالات و کلام پر مفصل روشنی ڈالیں گے۔
(سید فضل المتین)

محترمہ شفیق النساء کا انتقال

اُردو کی جواں سال تنقید نگار خاتون محترمہ شفیق النساء کا ۹ نومبر ۱۹۷۳ء کو حیدرآباد میں اچانک انتقال ہوا۔ موصوفہ نے جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کیا تھا اور ایم اے کی تعلیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے حاصل کی تھی۔ انتقال کے وقت شفیق النساء کی عمر ۲۳ سال تھی۔ مختصر سی علمی عمر میں موصوفہ کی علمی و ادبی کاوشوں کو ملک کے ممتاز رسائل نوائے ادب اور کتابی دنیا نے سراہا تھا اور کئی مضامین مختلف رسائل میں ڈائجسٹ بھی کئے گئے تھے۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے تمام علمی مضامین کو مرحومہ کی آخری یادگار کی صورت میں یکجا کیا جائے اور کتابی صورت میں ان کی اشاعت ہو۔ (عالیہ نسرین حیدرآباد)

یومِ غالب دلی

انجمن ترقی اُردو صوبہ دلی کے زیرِ اہتمام حسبِ معمول اس سال بھی یومِ غالب ۱۹ فروری کو مزارِ غالب پہ منایا گیا۔

پہلے مزار پر گل افشانی کی گئی اور درگاہ کے قوالوں نے غالب کی غزلیں سُنا کر وجد آفریں سماں پیدا کر دیا۔ پھر عرس محل واقع چونسٹھ کھمبا میں بزمِ مقالات منعقد ہوئی۔

جلسے کا افتتاح دلی کے چیف کمشنر شری دھرم ویر نے فرمایا۔ انھوں نے اس عظیم شاعر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم غالب پہ فخر کرتے ہیں، ادب کی خدمت کے ذریعے غالب نے ہندوستان کا نام روشن کیا۔

اپنی تقریر کے دوران میں دھرم ویر صاحب نے کہا اُردو نے ہندوستان میں جنم لیا اور یہ اس کی اپنی زبان ہے ملک کی کسی بھی دوسری زبان سے اس کی کوئی لڑائی نہیں، ہم لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ اُردو اور ہندی کو قریب کیا جائے اس سے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں گے۔ دونوں زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں کو کوشش کرنی چاہیے کہ زبان سلیس اور عام فہم ہو اس سے آپس کا اختلاف دور ہوگا۔

تقریر کو ختم کرتے ہوئے شری دھرم ویر نے فرمایا کہ "جو لوگ اُردو کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ملک کے دوست نہیں ہیں۔" اُردو ایک عوامی زبان ہے اس کو مٹانا کسی کے بس میں نہیں۔

بزمِ مقالات کی صدارت جناب دیوان آنند کمار صاحب نے فرمائی۔ صدر محترم نے فرمایا کسی زبان کو حکومت تک نہیں مٹا سکتی۔ اس لئے اُردو والوں کو ایسا کوئی اندیشہ نہیں کرنا چاہیے کہ اُردو کا مستقبل روشن نہیں۔ دیوان صاحب نے اُردو زبان کی خوبیوں پر روشنی ڈالی اور فرمایا دقیق خیالات اور سائنسی باتوں کو آسان زبان میں بیان کرنے کی صلاحیت اُردو میں ہے اور یہ ایسی خوبی ہے جو یہاں کی اور زبانوں میں نہیں ہے۔ آپ نے اُردو ادب میں اضافہ کرنے اور دیگر زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ کرنے پر زور دیا۔

ایرانی سفارت خانے کے کلچرل اتاشی آقائے تفضلی نے غالب کی فارسی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا اور فرمایا کہ غالب کو ایران میں بھی قبولِ عام کا درجہ حاصل ہے۔

جناب راجندر ناتھ شیدا نے غالب کی سیرت پر اظہار خیال کیا۔ انھوں نے کہا کہ غالب انسانی قدروں کا بڑا خیال رکھتے تھے اور کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ ہر طبقے میں ان کے دوست تھے ان کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا لیکن وہ ایک بڑے جینئس تھے، اتنے بڑے کہ ایسا انسان صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے۔ انھوں نے شاعری کو اپنایا اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تصویر قلبی واردات کے سانچے میں ڈھال دی۔

ظ۔ انصاری نے اپنی تقریر میں غالب کے حالاتِ زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور ان کے نظریۂ فن کے متعلق وضاحت کی۔ اپنی تقریر کا آغاز ظ۔ انصاری صاحب نے غالب کے اس فارسی شعر سے کیا۔

بینی ام از گداز دل در جگر آتشے چو سیل
غالب اگر دم سخن رہ بہ ضمیر من بری

اور فرمایا غالب کی نظر میں فن ایک مستقل تلاشِ حقیقت ہے اس حقیقت کی کوئی ایک شکل نہیں بلکہ کئی روپ ہیں، وہ اس کی تمام شکلوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کی ساری شاعری کا نچوڑ اُن کے شعر میں ملتا ہے۔

ہے رنگِ لالہ و گل نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

یا —
بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

ظ۔ انصاری صاحب غالب کی فارسی شاعری پہ تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ انجمن کے خصوصی دعوت نامے پر بمبئی سے یومِ غالب کی

؎ حالات اور نمونۂ کلام "مولانا خواجہ حسن اجمیری" کے "تذکرہ شعرائے اجمیر" اور بیاض یادداشت سے لئے گئے ہیں۔ — سید فضل المتین

شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ وہ مرزا غالب کی زندگی کو صحیح رنگ میں اسٹیج پر پیش کرنے کے لئے ایک ڈرامہ بھی لکھ رہے ہیں۔

دوسری نشست شام کے سات بجے شروع ہوئی اس نشست کی صدارت لالہ شام ناتھ نائب وزیر اطلاعات و نشریات نے فرمائی۔

لالہ جی نے مرزا غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ غالب نے مسائل حیات پر گہری نظر ڈالی اور اپنے کلام میں بلندیٔ ذوق اور قدرت خیال کے نادر نمونے پیش کیئے۔

اور پھر فرمایا۔ انجمن ترقی اُردو دلّی ہر سال اس عظیم شاعر کی یاد میں جلسہ بڑے احترام اور سلیقے سے منعقد کرتی ہے اور ہمیں اس طرح اپنی عقیدت پیش کرنے کا اور اس بڑے فن کار کے فنی کمالات کی داد دینے کا موقع ملتا ہے۔

لالہ جی نے فرمایا اُردو ادب میں غالب کا وہی مقام ہے جو انگریزی ادب میں شیکسپیئر کا۔ یا فارسی ادب میں حافظ اور خسرو کا۔ جس زبان میں غالب جیسا شاعر پیدا ہوا ہو وہ کبھی مر نہیں سکتی۔ دوران تقریر میں شام ناتھ جی نے کہا۔ ہمارے ملک کے لوگوں کے اندر بدقسمتی سے کچھ ایسی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے جس سے اتحاد اور یک جہتی کو نقصان پہنچا لیکن مجھے امید ہے کہ جوں جوں ملک ترقی کرے گا ہم اپنی یہ تنگ نظری چھوڑ کر یک جہتی اور باہمی تعاون کا راستہ اختیار کریں گے۔ ہر زبان کا ایک مقام ہے۔ جتنی زبانیں ملک کے اندر رائج ہوں ان کی ترقی میں فراخ دلی سے کوشش کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

شام ناتھ جی نے تقریر کے آخر میں فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ پانچ سال بعد جب غالب کی سو سالہ برسی منائی جائے گی اس وقت ہم ان کے شایان شان خراج تحسین پیش کریں گے اور اس تقریب کو ہر طرح غالب کے مرتبے اور ان کی فنی عظمت کے مطابق منانے کی کوشش کریں گے۔

غالب سینچری کمیٹی کو چاہیے کہ اس سلسلے میں ابھی سے کام کی رفتار کو تیز کر دے تاکہ سو سالہ برسی اس شاعر اعظم کی شان کے مطابق منائی جا سکے۔

اس کے بعد غالب کی غزلیں جناب استاد عثمان خاں اور بلال خاں صاحب نے اس دل کش انداز سے پیش کیں کہ فضا نغمہ بار ہو گئی۔ پھر طرحی مشاعرہ ہوا اس میں دلی کے سرکردہ شعراء نے شرکت فرمائی اور یوم غالب کی یہ دلچسپ یادگار اور پُر کیف جلسہ رات کو ساڑھے نو بجے بخیر و خوبی ختم ہوا۔

(سکریٹری)

اُردو ثانوی مدارس کے مدرسین کے نام

مہاراشٹر مرہٹی کا صوبہ بن جانے کے بعد مہاراشٹر میں اُردو کی حیثیت ثانوی زبان کی سی ہو گئی ہے اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کی دیگر صوبائی حکومتوں کی طرح، مہاراشٹر حکومت "اُردو دشمنی" میں مبتلا نہیں ہے، بلکہ بعض شعبوں میں تو اس نے اُردو نواز ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ کیوں نہ حکومت کے اس "برتاؤ" سے فائدہ اٹھا کر اُردو کے تحفظ و ترقی کا کام مہاراشٹر کے شہر بمبئی سے شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ اسے تمام مہاراشٹر کے اُردو ثانوی مدارس کے مدرسین کی ایک انجمن قائم کر کے "اُردو" کے تحفظ اور ترقی کے لئے کام کیا جائے اور اُردو ہائی اسکولوں کی تعلیمی حالت کو اور بہتر بنایا جائے۔

ہم اپنے پروگرام کا ایک اجمالی خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ اس پر غور کر کے اپنی اولین فرصت میں اپنی رائے سے ہمیں مطلع فرمائیں گے تاکہ ہم جلد از جلد بمبئی میں اساتذہ کا ایک جلسہ منعقد کرا کے آل مہاراشٹر اُردو سکنڈری اسکول ٹیچرز ایسوسی ایشن قائم کر سکیں اور اسے قانونی شکل دے سکیں۔

ساتھ ہی یہ بھی درخواست ہے کہ ہر اسکول سے بطور نمائندہ کسی ایک مدرس کا نام اور پتہ ہمیں بھیج دیا جائے تاکہ ہم اس معاملے میں اس سے خط و کتابت کر سکیں۔

انجمن کا نام:۔ آل مہاراشٹر اُردو سکنڈری اسکول ٹیچرز ایسوسی ایشن

صدر دفتر:۔ بمبئی

مقاصد:۔ اُردو کا تحفظ و ترقی

(۲) اساتذہ کے جائز حقوق کی بحالی کے لئے کوشش کرنا اور دیگر اساتذہ کی انجمنوں سے تعاون و اشتراک کرنا۔

(۳) اساتذہ میں اتحاد پیدا کرنا اور برادرانہ جذبہ کو فروغ دینا۔

پروگرام:۔ انجمن کے ترجمان کا اجراء۔

(۲) "مکتبے" کی تشکیل اور نصابی علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت۔

(۳) مرہٹی اور اُردو زبان میں ہم آہنگی (دونوں زبانوں کے ادب کے ترجمے) اور زبانوں کے ادیبوں اور فن کاروں کی ہمت افزائی۔

(۴) تحریری اور تقریری مقابلے کلچرل پروگرام اور تعلیمی سیمینار منعقد کرانا۔

(۵) اساتذہ کی فلاح و بہبودی کیلئے کو آپریٹو سوسائٹی کا قیام۔

کنوینرز:۔ ۱۔ اشتیاق محمد خاں (انجمن خیر الاسلام؟) [illegible] محمد ہائی اسکول بمبئی) ۲۔ اختر راہی (کشمیرہ ہائی اسکول بمبئی) ۳۔ عبد العلیم صدیقی (خواجہ خان محمد ہائی اسکول بمبئی) ۴۔ عبد السلیم (انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی)

خط و کتابت کا پتہ:۔ اشتیاق محمد خاں۔ جعفر سلیمان مسلم اسٹوڈنٹس ہاسٹل واڈی بندر بمبئی ۹

(بحوالہ اُردو نامہ ہندستان)

اُردو مجلس کا ماہانہ اجلاس

حیدرآباد۔ اُردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس اتوار ۲۳ فروری ۶۴ء کو اُردو ہال میں منعقد ہوا۔ راجے جانکی پرشاد صاحب نے اس اجلاس کی صدارت کی۔

ممتاز مزاح نگار جناب رشید قریشی (مصنف "ہم کی دُنیا") اور جناب بھارت چند کھنہ (مصنف "ٹھنڈی چُلبیاں") نے دلچسپ مزاحیہ مضامین سُنائے۔

محفل شعر و سخن میں میر نیسین علی خاں، برق موسوی، اشور میناؔ، وقار خلیل، رؤف خلش، صلاح الدین نیر، اعظم فیضی، نازل، حمید سرق، یوسفی، رحمٰن جامی اور فیض الحسن خیال نے غزلیں، نظمیں اور سائینٹ سُنائے۔

اچھی طباعت کے انعام

گورنمنٹ نے چھپائی اور ڈیزائن کے انعامات کیلئے اب حسب ذیل درجے مقرر کر دیے ہیں۔ بچوں کی کتابیں، تصویر دار کتب، کتب (انگریزی) اور دیگر زبانیں، روزنامہ اخبارات (انگریزی) اور دیگر ہندستانی زبانیں، اشتہارات کی اشاعت مصور میگزین اور سالانہ شمارے، رسالے (انگریزی علاوہ سالانہ شماروں کے) رسالے (ہندوستانی زبانوں کے علاوہ سالانہ شماروں کے)، پوسٹر، فولڈر، کلنڈر، ڈائری، ویونالگی ٹائپ، پیکیجنگ کتابچے لیبل۔ بہترین مجلد کتب، پیکنگ، پیکری کے سامان کی ترتیب۔ چھپی ہوئی تصاویر، مبارکبادی کے کارڈ، تصویر والے کارڈ۔

ہندی مخطوطات کی خرید کے لئے کمیٹی

نجی اداروں اور اشخاص کے پیش کردہ ہندی علوم سے متعلق اہم دستاویزات اور قدیم مخطوطات کے انتخاب کے لئے حکومت ہند کو مشورہ دینے کی غرض سے اور ان مخطوطات وغیرہ کی قیمت متعین کرنے کی خاطر مخطوطات کی خرید کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے چیرمین ٹریڈیشنل کلچر کے ڈائرکٹر پروفیسر کے اے بی کنٹھو شاستری ہوں گے۔ کمیٹی کے دیگر اراکین یہ ہیں:۔
ڈاکٹر ایس ایم کھرے۔ ڈاکٹر ایم سعید خاں۔ ڈاکٹر اے کے مجمدار اور شری وائی ایم مولے۔ شری مولے کمیٹی کے سکریٹری بھی ہوں گے کمیٹی کی میعاد کار دو سال ہوگی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں یوم غالب

۲۶ر فروری کو شعبۂ اردو میں یوم غالب منایا گیا۔
پروفیسر مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے غالب کی شاعری سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے اور انگریزی میں غالب کے کچھ اردو فارسی اشعار کے تراجم سنائے۔

جناب بدرالدین طیب جی وائس چانسلر نے صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ اُنھوں نے غالب کا کلام پڑھنے اور غالب کو سمجھنے کے لئے اردو سیکھی۔ انھوں نے کہا کہ غالب کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ جو غالب کو اچھی طرح نہیں سمجھتا وہ بھی غالب کی بڑائی کا قائل ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے مقالے میں ادب میں عظمت کے تصور کا جائزہ لیا اور غالب کی عظمت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام نے غالب کی ایک فارسی مثنوی کا تجزیہ پیش کیا۔

شعبۂ اردو کی طرف سے علی گڑھ کے چالیس باذوق حضرات سے غالب کے دس بہترین اشعار منتخب کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ڈاکٹر انور انصاری نے اس تجربے کے نتائج پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ غالب کے وہ اشعار اب زیادہ پسند کئے جاتے ہیں جن میں موجودہ ذہن کو کچھ تسکین یا روشنی ملتی ہے۔

ڈاکٹر شعیب الرحمٰن نے غالب کا کلام نہایت پُراثر انداز میں سنایا۔

مولانا آزاد لائبریری نے اس موقع پر غالب کی تصانیف کی ایک نمائش بھی کی۔

ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

پیغمبر انسانیت

مصنفۂ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی
ناشر۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ پاکستان کلب روڈ۔ لاہور
تعداد صفحات ۶۲۰۔ قیمت دس روپے۔

سیرت نبوی پر اردو میں متعدد چھوٹی اور بڑی تصانیف موجود ہیں جن میں سیرۃ النبی از مولانا سید سلیمان ندوی، رحمۃ للعالمین مصنفۂ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، سیرۃ الرسول از مولانا اسلم جے راجپوری، النبی الخاتم مرتبہ مولانا گیلانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بلند پایہ کتابوں کے ہوتے ہوئے عام خیال تھا کہ مشکل سے کوئی شخص اس مبحث پر قلم اٹھا سکے گا اور اگر اٹھایا تو نقل و تقلید سے کام لینے پر مجبور ہوگا۔ مگر زیر نظر کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا۔ اس کے مصنف ایک علمی اور روحانی خاندان کے فرد ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ ایک وسیع النظر عالم اور لائق مفکر بھی ہیں۔ انھوں نے سیرت کے مآخذ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ہر واقعے کے بعد لمحۂ فکریہ کے عنوان سے جو تشریحات دی ہیں وہ موصوف کی دینی ذہانت اور نادر انداز بیان کا آئینہ ہیں۔ مثلاً سابقین اولین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "نبوت کا یہ انوکھا اعجاز ہے کہ سب سے پہلے وہی حضرات ایمان لاتے ہیں جو سب سے زیادہ حضورؐ سے قریب رہے ہیں اور جو سب سے زیادہ حضورؐ کے ایک ایک گوشۂ زندگی سے واقف ہیں۔ ایمان لانے کا مطلب محض اقرار نہیں بلکہ اس ایک لمحے کے اندر اپنی پوزیشن کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ بیوی ہو یا دوست یا بھائی، دفعتہً اپنے درجے کو گھٹا کر امتی بن جاتا ہے اور اسی وقت وہ پیغام لانے والے کو نبی مان کر کائنات کا بلند ترین درجہ دے دیتا ہے۔ کون معاصر ہے جو کسی صداقت کے بغیر اپنے درجے کو اتنا گھٹانے اور دوسرے کے مقام کو اتنا بلند تسلیم کرنے کے لئے دفعتہً آمادہ ہو جائے اور اپنی اسی پوزیشن پر فخر و ناز بھی کرے۔" آگے بتایا ہے کہ حضرات پیغمبرؐ کی زندگی کے ہر گوشے سے باخبر اور اعلیٰ عقل و فرزانگی کے مالک تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کی اطاعت کر کے ایک عالم کی عداوت مول لینا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "نبی کی زندگی کا رخ ابتدا ہی سے صحیح سمت میں ہوتا ہے۔" اس لطیف و دقیق نکتے کو پیش نظر رکھنے کے بعد سیرت کے بہت سے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ رسولؐ قبول بعثت سے پہلے اور بعد بھی عبادات اور صلوٰۃ کی کسی نہ کسی ہیئت کی پابندی فرماتے تھے اور لوگوں کو ظلم و معصیت سے روکتے تھے۔ حالانکہ ان امور کے بارے میں قرآنی احکام

تفصیل کے ساتھ بعد میں نازل ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کی فطرت سلیم من جانب اللہ نیکی کی طرف مائل اور بُرائی سے متنفر تھی۔

جناب مصنف نے صحیح روایات سے برابر استشہاد کیا ہے مگر جہاں روایت کسی مسلّمہ حقیقت سے ٹکراتی ہے وہاں انھوں نے جرأت سے جرح و تنقید بھی کی ہے مثلاً انھوں نے سورۂ النجم کے سلسلے میں یا جنگ بدر کے اسباب یا حضرت عائشہؓ کی عمر (وقت رخصت) یا کعب بن اشرف (دشمن اسلام یہودی) کے قتل سے متعلق احادیث کی روایات اور مفسرین کے بیانات کی مدلل تردید کی ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی یہ تصنیف سیرت کے موضوع پر ایک قابل قدر اضافہ ہے لیکن اس میں چند مقامات ضرور ایسے ہیں جہاں طبیعت میں خلش پیدا ہوئی اور خاطر خواہ شرح صدر نہیں ہوا مثلاً مکی آیات میں کئی جگہ زکوٰۃ کی ترغیب (زکوٰۃ کا حکم نہیں) موجود ہے۔ حالانکہ اس کی مقدار و نصاب (احادیث سے) مدینے میں متعین ہوا۔ اس سے فاضل مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تفصیلی شرائط مبدل قدریں ہیں۔ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔ (ص ۱۲۸) دراصل اس سے دین میں رخنے کا دروازہ کھلتا ہے۔ ایک شخص اسی طرح نماز کے متعلق بھی کہہ سکتا ہے کہ اس کے ارکان و اوقات جس صورت سے مدینہ منورہ میں متعین ہوئے مکہ مکرمہ کے زمانۂ قیام میں نہ تھے۔ لہٰذا یہ ارکان و اوقات نماز ابدی اور غیر متبدل نہیں ہیں۔ لیجئے ایک طرف تو تجدد نوازی پرسنل لا ہی میں ترمیم کے درپے تھی، دوسری طرف عبادات بھی معرض خطر میں پڑ گئیں۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ مکی زندگی میں آنحضرتؐ اور صحابہؓ مخالفوں کے نرغے میں تھے اس لئے توحید اور اخلاق حسنہ کے ساتھ نفس عبادت کو کافی سمجھا گیا۔ مگر مدینے میں جب مسلمانوں کا ایک اجتماعی نظام قائم ہوا تو عبادات و معاملات کی تفصیلات مقرر کی گئیں جن کا تعین ہونا اُس وقت سے قیامت تک کے لئے طے ہو گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنے عہد خلافت میں یہ نہ فرماتے کہ اگر اہل عرب ایک عناق (بکری کا بچہ) یا عقال (اونٹ کی رسی) جو رسولؐ خدا کی حیات میں ادا کرتے تھے، اب ادا کرنے سے انکار کریں گے تو بخدا میں ان سے قتال کروں گا۔

ایک جگہ وہ رقم طراز ہیں کہ جب خدا خود اپنے احکام کی کورانہ تقلید نہیں پسند فرماتا تو نبی کس طرح پسند فرما سکتا تھا۔ (ص ۱۳۱)۔ یہ بھی ایک غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ قرآن تو یہ فرماتا ہے کہ جب خدا و رسول کوئی بات طے کر دیں تو کسی مومن و مومنہ کو یہ روا نہیں کہ اپنے اختیار سے کام لے۔ (احزاب) شریعت کا فیصلہ ہے کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد کوئی چیز نہیں۔ اسی کے بارے میں مولانائے روم نے کہا ہے۔

با خورشید و کعبہ پیش رُو
ایں قیاسات و تحرّی را مجو

ص ۲۷۹ پر مصنف نے ایک عجیب بات کہی ہے جس کا سر رشتہ حال کے غیر اسلامی نظریات سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام کا مقصد حکومت کا قائم کرنا نہیں بلکہ اُسے ختم کرنا ہے۔ گویا حکومت ایسا ناپاک ادارہ ہے جس کو قائم کرنا جائز نہیں ہاں اگر آپ سے قائم ہو جائے تو مجبوراً برداشت کیا جا سکتا ہے۔ یا للعجب۔ اللہ تعالیٰ نے تو انعام و احسان کے اظہار کے طور پر جو حضرت یوسفؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ اور حضرت سلیمان کو حکومت عطا کرنے کا ذکر کیا ہے اور نیز آیۂ استخلاف میں صحابہؓ سے حکومت کا وعدہ فرمایا اور پھر خود رسولؐ خدا نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے ریاست اسلامی کی سربراہی کا فرض انجام دیا کیا یہ سب مجبوری اور ناگواری کے تحت وقوع میں آیا۔ یہ صحیح ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق مقصود بالذات ہے اور حکومت یا امامت مقصود بالغیر مگر اقتدار کے بغیر اعلاء و تنفیذ دین کا کام دنیا میں کیونکر انجام پا سکتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مقدمۃ الواجب واجبٌ۔ ہاں اگر کبھی utopia کا قیام ممکن ہو جائے جس میں سرے سے بدی اور ظلم کا نام نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ موصوف ایک طرف احادیث نبوی سے استناد فرماتے ہیں اور دوسری طرف حدیث کو "غیر قرآنی وحی" ماننے میں شبہہ ظاہر کرتے ہیں۔ (ص ۳۳۶) مواخات والی حدیث جس سے حضرت سیدنا علی کی بڑی فضیلت نکلتی ہے اس کو یہ کہہ کر ٹال دینا کہ یہ روایت کچھ جچتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی بے دلیل ہے۔ (ص ۲۷۰)۔ مولانا نے افتتم کو (تم نے حاصل کیا) کی بجائے (تم نے شروع کیا) کے معنی میں لیا ہے۔ (ص ۵۰۳) مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے افتتم اگر فعل امدادی ہو تو فعل اصلی کے ساتھ آتا ہے۔ اکیلا نہیں آتا۔

ایک جگہ حضرت حمزہؓ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سن میں آنحضرت سے بہت بڑے تھے۔ حالانکہ دو سال کے فرق کو بہت بڑا نہیں کہتے۔ صحابی کو کئی جگہ صحابیؓ، اور قثم بن عباس کو قاسم تحریر کرنا غالباً کاتب کی جدت ہے۔

ان چند کمزوریوں کے باوجود کتاب کی افادیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ کوئی لائبریری اس سے خالی نہ رہے۔

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ ۔ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا